موجودہ ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

﴿۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۷؍جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ، بوقت صبح ۱۰؍بجے، مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور کے احاطہ میں حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی دامت برکاتہم کا عوام الناس سے کیا گیا ایک فکر انگیز خطاب﴾

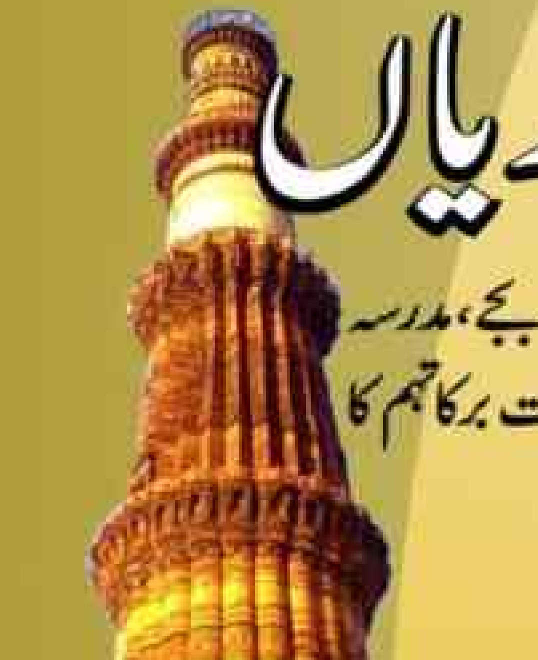

ترتیب و پیشکش

محمد حماد کریمی ندوی

محمد فضیل قاضی

الاسلام اکیڈمی، مرڈیشور

hammadkarimi93@gmail.com

+91-9889943219

باھتمام

مدرسہ تنویر الاسلام

مرڈیشور، بھٹکل، کاروار، کرناٹک

موجودہ ملکی حالات
اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

﴿۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۷؍جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ، بوقت صبح ۱۰؍بجے، مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور کے احاطہ میں **حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی دامت برکاتہم** کا عوام الناس سے کیا گیا ایک فکر انگیز خطاب﴾

ترتیب وپیشکش

محمد حماد کریمی ندوی   محمد فضیل قاضی

الاسلام اکیڈمی، مرڈیشور

hammadkarimi93@gmail.com

+91-9889943219

باهتمام

مدرسہ تنویر الاسلام

مرڈیشور، بھٹکل، کاروار، کرناٹک

بارِاوّل

۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	موجودہ ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں
نام مصنف	:	خطاب حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ العالی
ترتیب وپیشکش	:	محمد حماد کریمی ندوی ابن مولانا محمد شرفِ عالم قاسمی محمد فضیل قاضی ابن مولانا عبدالصمد قاضی ندوی
صفحات	:	۴۸
تعدادِ اشاعت	:	۱۰۰۰
قیمت	:	۴۰/روپے
باہتمام	:	مدرسہ تنویرالاسلام، مرڈیشور بھٹکل، کاروار، کرناٹک

ملنے کے پتے

(۱) مدرسہ تنویرالاسلام، مرڈیشور
(۲) مدرسہ رحمانیہ منکی، ہوناور، کاروار، کرناٹک
(۳) جامعہ اسلامیہ بھٹکل، کاروار، کرناٹک، انڈیا
(۴) مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ لکھنو
(۵) جامعہ ربانیہ اشفاقیہ، انکھولی، بیلپکونہ، مظفرپور، بہار

باہتمام

مدرسہ تنویر الاسلام،

مرڈیشور، بھٹکل، کاروار، کرناٹک

عرض ناشر

الحمد للّٰہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ، ومن والاہ،

أما بعد!

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں ایک اہم نعمت اور عظیم دولت، تقریر وخطابت اور پُر اثر وعظ ونصیحت بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اس کی اہمیت مسلم رہی ہے، قرآن کریم کی سورۂ رحمٰن کی آیت ﴿عَلَّمَهُ البيَانَ﴾ اوررسول اکرم ﷺ کی حدیث (وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرا) میں ''بیان'' سے اکثر علماء ومفسرین اور شراح ومحدثین نے تقریر وخطابت اور وعظ ونصیحت ہی مرادلیا ہے۔

موجودہ زمانے میں جن حضرات کو اللہ تبارک وتعالی نے اس عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، اور انھوں نے بلند مقاصد کے لئے اس کا استعمال کیا ہے، ان میں ایک نام نامی، اسم گرامی حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی دامت برکاتہم کا بھی ہے، اللہ نے مولانا کو جو قوت گویائی اور فصاحت لسانی عطا فرمائی ہے، اس کا ہر ایک معترف ہے۔

اسی مناسبت سے مولانا کے اندرون ملک وبیرون ہند اسفار ہوتے رہتے ہیں، ابھی کچھ دنوں قبل مولانا کا جنوبی ہند کا ایک دعوتی دورہ ہوا، جس کی ایک کڑی بھٹکل کے ایک شہر مرڈیشور کا جلسہ بھی ہے، جہاں ۱۶/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۷/جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ، بوقت صبح ۱۰/بجے، مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور کے احاطہ

میں مولانا کا بعنوان **''موجودہ ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں''** ایک فکر انگیز عمومی خطاب ہوا، جس کو راقم کی درخواست پر قاضی جماعت المسلمین، مرڈیشور جناب مولانا عبد الصمد صاحب قاضی ندوی کے فرزند ارجمند مولوی محمد فضیل قاضی (متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو) نے نقل کیا، اور مولانا نے نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ فجزاھم اللہ أحسن الجزاء

جلسہ سے کچھ قبل مولانا کے ہاتھوں **الاسلام اکیڈمی، مرڈیشور** کا قیام عمل میں آیا، خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ اکیڈمی کے سلسلۂ مطبوعات کا باقاعدہ آغاز مولانا ہی کی تقریر کی اشاعت سے ہورہا ہے، یہ سب اللہ کا فضل واحسان اور والد ماجد جناب مولانا شرف عالم صاحب قاسمی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

اس موقعہ پر ہم مدرسہ تنویر الاسلام، مرڈیشور کے ذمہ داران خصوصاً ناظم مدرسہ جناب مولانا محمد علی باشا صاحب، مہتمم مدرسہ جناب مولانا محمد مبین صاحب ندوی، مولانا عبد الرحیم صاحب اور دیگر اساتذہ کے بے انتہا ممنون ومشکور ہیں کہ انھوں نے اس کام کی مکمل سرپرستی فرمائی، ہر طرح کی معلومات فراہم کیں، نیز ہر طرح سے اس کام میں اپنا تعاون پیش کرکے اپنی ذرہ نوازی، علم دوستی اور دین پسندی کا ثبوت دیا۔

اللہ سے دعا ہے کہ اس کوشش وکاوش کو قبول فرمائے، اور ہم تماموں کے لئے باعث خیر وبرکت بنائے، آمین

محمد حماد کریمی ندوی

۳؍ جمادی الآخر ۱۴۳۶ھ

مطابق ۲۴؍ مارچ ۲۰۱۵ء

استقبالیہ بموقع تشریف آوری
حضرت مولانا سیّد سلمان الحسینی ندوی مدظلہ العالی

صدر محترم! عالی وقار وعزت مآب جناب حضرت مولانا سیّد سلمان الحسینی دامت برکاتہم اور ڈائس پر تشریف فرما مہمانان وحاضرین، علمائے کرام، حفاظ عظام وخواتین اسلام!!!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ہمارے درمیان دنیا کی مشہور ومعروف شخصیت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی موجود ہیں، مولانا موصوف کی آمد پر اہلیان مرڈیشور بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ آپ کا ورودِ مسعود ہمارے یہاں بار بار ہو، اور ہمیں آپ سے استفادہ کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں، حضرت مولانا اس سے قبل ہمارے یہاں دو بار تشریف لا چکے ہیں، اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے بچوں کے دارالاقامہ کا افتتاح حضرت مولانا ہی کے دست مبارک سے ہوا ہے، ادھر چند سالوں سے ہماری اپنی کمزوریوں اور کم نصیبی کی وجہ سے مولانا سے رابطہ نہ ہوسکا، البتہ بھٹکل منکی واطراف میں آپ کی آمد پر ہم لوگ ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔

ہم بہت شکرگذار ہیں عزیزم مولوی حماد کریمی ندوی اور ان کے ساتھی عمر سیاف ندوی صاحب کے کہ انھوں نے حضرت والا سے مرڈیشور کے لئے خصوصی

وقت لیا، اس سلسلہ میں ہم مہتمم مدرسہ رحمانیہ منکی مولانا شکیل صاحب کے بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے حضرت کی تشریف آوری کہ سلسلہ میں ہمیں بروقت مطلع کیا۔

بہر حال مولانا محترم اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں، ہم ان کا تہ دل سے استقبال کرتے ہیں، دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتے ہیں، اور خوش آمدید کہتے ہیں، علاوہ اس کے ڈائس پر موجود تمام مہمانان اور جلسہ گاہ میں مقامی اور قرب وجوار سے آئے ہوئے تمام مہمانان کا پر تپاک و پر خلوص استقبال کرتے ہیں۔

مزید ایک بار حضرت مولانا کا استقبال کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو بصحت وعافیت سلامت رکھے، ملّت اسلامیہ پر آپ کا سایہ عاطفت تا دیر باقی رکھے، اور ہمیں آپ سے استفادہ کا موقع بار بار نصیب فرمائے آمین!

از:

صدر وسکریٹری، عہدیداران واراکین

اساتذہ وطلباء مدرسہ تنویر الاسلام، مرڈیشور

مختصر تعارف

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ العالی

بقلم: محمد حماد کریمی ندوی

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، محمد و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین، أما بعد!

محترم صدر جلسہ، دیگر مہمانان کرام ومعزز سامعین!

آج اہل مرڈیشور کے لئے بڑی خوشی ومسرت کا موقع ہے کہ فکر اسلامی کے نقیب، پرجوش وبے باک خطیب، امت اسلامیہ کے نباض وطبیب، مشہور اردو وعربی ادیب، عالمی عظمت وشہرت کے حامل، آفاقی مقبولیت ومحبوبیت کے مالک، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، بانی جمعیت شباب الاسلام، و جامعہ سید احمد بن عرفان شہید، وڈاکٹر عبد العلی طبیہ کالج، استاذ الاساتذہ، حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی آمد کی سعادت نصیب ہورہی ہے۔

یقیناً آپ حضرات اس وقت مولانا کو سننے اوران سے استفادہ کے لئے بے چین و بیتاب، مثل ماہی بے آب ہوں گے، لیکن کچھ دیر اور صبر کریں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، مولانا سے معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا کہ محض یہاں کے ذمہ داران کے حکم کی تعمیل میں مجھے اس کی جرأت کرنی پڑرہی ہے کہ آپ کا مختصر تعارف پیش کروں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام پر شخصیت کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے، اہم سے اہم بات اگر کوئی غیر معتبر شخص کہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اور بسا اوقات معمولی بات بھی

کسی اہم شخصیت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے دلیل اور حجت بن جاتی ہے، اگر شخصیت بھی معتبر ہو اور کلام بھی عمدہ ہو تو اس وقت سونے پر سوہاگہ کی مثال صادق آتی ہے۔

ویسے تو مولانا کی شخصیت، عالم اسلام کی مشہور اور معروف شخصیت ہے، نیز اس علاقہ کے لئے بھی مولانا غیر معروف نہیں ہیں، ان علاقوں میں مولانا کا یہ کوئی پہلا سفر نہیں، بلکہ مولانا اس سے قبل بارہا اس علاقہ کا سفر کر چکے ہیں، آج آپ کو ان علاقوں میں جو دین کی چہل پہل اور اسلامی ہل چل نظر آ رہی ہے اس میں ایک وافر حصہ مولانا کا بھی ہے، آج سے تقریباً دو دہائی قبل اس شہر کو بھی مولانا کے قدوم میمونت کا شرف حاصل ہو چکا ہے، لیکن ایک عرصہ سے یہ سب چیزیں گزری باتیں اور پرانی یادیں ہو چکی تھی۔

آج کا یہ دن بھی انشاء اللہ اہل مرڈیشور کے لئے تاریخی دن ہوگا، اگر ان کا یہ عزم ہوگا کہ ہم مولانا کی باتوں کو غور سے سنیں گے اور مولانا کی تحریک اور ان کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں گے۔

اللہ تبارک وتعالی نے مولانا کو بے شمار امتیازی خصوصیات، پاکیزہ جذبات، اور بلند پایہ صفات سے نوازا ہے، جن میں سے ہر ایک کا ذکر اس مختصر وقت میں ناممکن ہے، بس چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش خدمت ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر جو انعام فرمایا، وہ یہ ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء کو لکھنؤ میں ایک ایسے خاندان میں ہوئی جس کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ کے نواسے حضرت حسینؓ تک جا ملتا ہے، اس نسبت سے آپ کو حضرت حسینؓ کے جذبۂ حق سے ایک وافر حصہ ملا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ ہر وقت حق کے سلسلہ میں ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں، اور زبان حال سے ان اشعار کی ترجمانی کرتے ہیں:

زمین کے پستیوں میں آسمان بن کے رہو　　زندہ رہنا تو میرِ کارواں بن کے رہو

اور:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز　　یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

مولانا پر اللہ کا مزید کرم یہ ہوا کہ ابتداء ہی سے والدین کی پر خلوص ومحبت بھری تربیت کے ساتھ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جیسا مربی و مصلح بھی نصیب ہوا، پھر بھی مولانا نے انہی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ وقت کے مشائخ وعلماء کبار سے برابر استفادہ کرتے رہے، جن میں خاص طور پر ڈاکٹر عبدالفتاح ابوغدہ حلبی، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں، ان بزرگوں کی نگاہوں کا پڑنا تھا اور دل وزبان سے دعاؤں کا نکلنا تھا کہ آپ کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوگیا، اوران اشعار کے آپ مصداق بن گئے:

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز　　اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گزار
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم　　اس کا سرور، اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں، کارکشا، کا ساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولی صفات　　ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل　　اس کی ادا دل فریب، اس کی نگاہ دل نواز

مولانا مذکورہ بالا حضرات ومشائخ کے مشوروں اور رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے تعلیمی مراحل طے کرتے رہے، حفظ کی تکمیل، اور عالمیت وفضیلت کی تعلیم دارلعلوم ندوۃ العلماء سے حاصل کی، پھر مزید اعلی تعلیم کے لئے بیرون ہند کا بھی سفر کیا اور علوم حدیث میں ایم، اے، کی ڈگری حاصل کی، دوران تعلیم ہی مولانا نے نوجوانوں کو متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے، ان کو صحیح رخ دینے، اور صحیح فکر سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے رفقاء کے ساتھ ایک تنظیم (**جمیعت شباب الاسلام**) کی بنیاد

ڈالی،جس کے تحت مولانا نے ہندوستان کے کونہ کونہ، گوشہ گوشہ کا سفر کیا، وہاں آپ کے بیانات ہوئے، تقریریں ہوئیں، اس دوران بیرون ملک بھی مختلف علاقوں کے اسفار ہوتے رہے، اور مولانا ہر جگہ بے باکانہ انداز میں حق کی وضاحت کرتے رہے، اور اس شعر کی عملی تفسیر پیش کرتے رہے:

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے　　زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

اور کسی شاعر نے کہا ہے:

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاوں میں تلواروں کی
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا نے دارالعلوم ندۃ العلماء میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا، اور سن ۱۹۸۰ء سے اب تک اس کو بخوبی انجام دیتے رہے ہیں، عوام عام طور پر مولانا کے خطابات سے واقف ہوتے ہیں، لیکن جس طرح مولانا میدانِ خطابت میں اپنا لوہا منوا چکے ہیں، اسی طرح مولانا کی تدریسی صلاحیت کا بھی ہر ایک کو اعتراف ہے، آج ان علاقوں میں جو علماء ہیں وہ سب مولانا ہی کے شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ و دست گرفتہ ہیں، اس طرح ان علاقوں کے ایک ایک فرد پر مولانا کا احسان ہے۔

اس کے علاوہ مولانا نے مدارس میں مروجہ نصاب سے ہٹ کر ایک نئے نصاب کے مطابق وسیع و عریض جامعہ کا قیام عمل میں لایا، جو ہندوستان کی مشہور شخصیت حضرت سید احمد شہیدؒ کی طرف منسوب ہے، جہاں سے ہر سال ایک بڑی

تعداد فارغ ہوکر ملک کے طول وعرض میں اسلام کی نشر واشاعت میں حصہ لے رہے ہیں، یہاں سے پڑھ کر بہت سے طلباء باہر ممالک مصر وترکی، سعودی عرب اور ملیشیاء وغیرہ بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جاتے ہیں، نیز بہت سے اسکول وکالجس بھی آپ کی زیر سرپرستی چل رہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا کو بامقصد تصنیفی وتألیفی اور تحقیقی ذوق سے بھی نوازا ہے، زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مولانا کی مختلف کتابیں اور رسائل منظر عام پر آتی رہتی ہیں، ابھی قریب میں مولانا نے قرآن کریم کا آسان، بامحاورہ، سلیس اردو ترجمہ کیا ہے، جو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پورے قرآن کو موضوعاتی طور پر تقسیم کیا گیا ہے، نیز ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو کسی تفسیر کی ضرورت محسوس نہ ہو۔

اس وقت جو پرکیف منظر ہے اور تمام لوگوں کے اندر جذبات کا سمندر رہے، میں مزید تاخیر کے بغیر اہل مرڈیشور کی طرف سے ان اشعار کو پیش کرتے ہوئے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں:

وہ آئیں صبح کو تو کروں باتوں میں دوپہر
اور چاہوں کہ دن تھوڑا سا ڈھل جائے تو اچھا
ڈھل جائے جو دن بھی تو کروں اسی طرح شام
اور چاہوں کہ آج سے کل جائیں تو اچھا
جو ہو کل تو پھر یوں ہی کہوں کل کی طرح سے
آج کا دن بھی یوں ہی ٹل جائے تو اچھا
القصہ نہیں چاہتا جائیں وہ یہاں سے
دل ان کا یہیں کاش بہل جائے تو اچھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد أن سیدنا ومولانا محمد عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وأزواجہ وذریاتہ وأھل بیتہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا، أما بعد!

أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ إِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُواْ وَاذْکُرُواْ اللّٰہَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ☆ وَأَطِیْعُواْ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْن☆﴾ (سورۂ أنفال: ٤٥،٤٦) صدق اللّٰہ العظیم.

تمہید

مرڈیشور کی بستی کے بھائیو، بہنو، دوستو، اور عزیزو! ایک طویل عرصہ کے بعد آپ کے درمیان آنے کا یہ موقع میسر آرہا ہے، مرڈیشور کی اس بستی کی یادیں میرے دماغ میں نقش ہیں، میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ اور جناب محی الدین منیری صاحبؒ کی قیادت میں یہاں حاضر ہوا تھا، حضرت مولانا کا مسجد میں خطاب ہوا تھا، اور میرا بھی عمومی اجلاس میں بیان ہوا تھا، یہاں

سے ہماری بہت پرانی یادیں جن پر غالباً دو دہائیاں گذر چکی ہیں، وابستہ ہیں، بھٹکل کے اردگرد جو علاقے آباد ہیں، ان میں سے متعدد علاقوں میں جانا ہوا،لیکن مرڈیشور کا جہاں تک تعلق ہے،اس کی یاد خاص طور پر اس پہلو سے جڑی ہوئی ہے کہ حضرتِ والا کے ساتھ میری یہاں پر حاضری ہوئی تھی، اور وہ ایک تاریخی حاضری تھی، اب ایک عرصہ کے بعد آپ کے بیچ میں ہوں اور بڑی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ جس مدرسہ کے سایہ تلے اس وقت اس اجلاس کا انتظام کیا گیا ہے وہ اس وقت سے پروان چڑھتا رہا، ترقی کرتا رہا،اوراب جس منزل تک وہ پہونچا ہے، وہ ظاہر ہے کہ اس کی آخری منزل نہیں ہے،ابھی یہ اس کا ایک چھوٹا سا پڑاؤ ہے، پھر یہ مدرسہ اور اس مدرسہ سے متعلق دیگر دعوتی، تربیتی اور اصلاحی کام ترقی کے راستہ پر گامزن رہیں گے،آگے بڑھتے رہیں گے،اورانشاءاللہ اس منزل تک پہونچیں گے، جو ایک کامیاب اسلامی جامعہ کی منزل ہے۔

اخلاص کی قیمت

اللہ تعالیٰ کی نگاہ جس پر پڑ جائے، اور اللہ کی رحمت جس کی طرف متوجہ ہوجائے، اور انتخاب الٰہی جس کے ساتھ وابستہ ہوجائے، اس کی قسمت چمک جاتی ہے، ایک سجدہ کبھی کبھی قبول ہوجاتا ہے،تو پوری زندگی سنور جاتی ہے، کسی وقت ایک بات جو زبان سے نکلتی ہے، وہ اللہ کی بارگاہ میں اتنی مقبول ہوتی ہے کہ اس سے بخشش کے فیصلے ہوجاتے ہیں، بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ وہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں، لیکن اللہ ان کو بہت بڑا بنا دیتا ہے، جیسے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ "خلوص کے ساتھ ایک کھجور جو صدقہ کے لیے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو احد پہاڑ کے برابر بنا کر قیامت میں اجر کے طور پر نصیب فرمائے گا" (حدیث) ایک چھوٹا سا پیسہ جو دین کی خاطر اور

ایمان کے لیے خرچ کیا جائے، اللہ کے یہاں اس کی اتنی قیمت ہے کہ بغیر اخلاص کے لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپوں کی بھی وہ قیمت نہیں ہے، کیونکہ ان کے ساتھ خلوص نہیں ہے، ان کے ساتھ ایمانی جذبات نہیں ہیں۔

اعمال کا دارومدار

اللہ کے یہاں دل کی بڑی قدر ہے، اور دل اگر اللہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے، اس کا قبلہ اللہ کی ذات ہو، اس کی سوئی اللہ کی طرف کر دی جائے، تو پھر انسان لوگوں کے بیچ میں رہتا ہوا، اللہ کی معیت میں ہوتا ہے، جلوت میں اسے خلوت نصیب ہوتی ہے، اور بظاہر وہ لوگوں سے ملتا جلتا ہے، لیکن اس کا دل اللہ سے باتیں کرتا ہے، حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''إِنَّ اللّٰهَ لَايَنْظُرُ إِلىٰ صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلىٰ قُلُوْبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ'' (مسلم: ٦٧٠٨) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا، تمہارے جسم نہیں دیکھتا، یعنی ظاہر ہے کہ سب کچھ اللہ کی نگاہ کے سامنے ہے، غیب ہو یا شہود، لیکن مقصد یہ ہے کہ اللہ کی توجہ تمہارے دلوں کی طرف ہوتی ہے، دل کی جسم میں ایک طرف جسمانی اعتبار سے اہمیت ہے کہ دل صحیح ہے تو انسان کا جسم صحیح ہے، اور دل بگڑتا ہے تو صحت بگڑتی ہے، تڑپ کر انسان گر پڑتا ہے، ہارٹ اٹیک ہو جاتا ہے۔

دل کی اہمیت

بالکل اسی طرح روحانی دنیا میں، دینی دنیا میں، دل کا مقام ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَافَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ '' (بیہقی: ۱۰۱۸۰) اے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، وہ ٹھیک ہوتا ہے تو جسم

ٹھیک ہوتا ہے، وہ بگڑتا ہے تو جسم بگڑتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ دل ہے، تو دل کا اللہ کے ساتھ بڑا گہرا ربط و تعلق ہے اور ظاہر ہے کہ جب دل کا اللہ کے ساتھ یہ تعلق ہے تو بس تھوڑی سی توجہ کر کے دل کا رخ متعین کر لینا ہی اصل میں مقصود ہے، جو بھی فرد ایسا کرلے گا، جو خاندان، جو قبیلہ، جس علاقہ کے لوگ یہ عمل کرلیں گے، ان کے لیے نوازش اللہ کی طرف سے شروع ہو جائے گی، اور عنایتوں کی بارش ہونے لگے گی، اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو تقرب کا مرتبہ حاصل ہوتا چلا جائے گا، اور یہ حقیقت ہے کہ جب اللہ کی کسی کی طرف توجہ ہو جائے تو کون ہے جو اس کی رحمتوں کو روک دے؟ ”اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ، وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“ (بخاری:۸۰۸) (اے اللہ! تو جس چیز کو دینے کا فیصلہ کرلے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے روکنے کا فیصلہ کرلے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور تیرے دربار میں کسی کا نصیب یا قسمت یا اسکی جدوجہد اور کوشش اصلاً کامیاب نہیں ہوتی، بلکہ تیری عنایت، تیری کرم فرمائی اور تیری نوازش سے کامیابی ملتی ہے، جسے بھی ملتی ہے۔

اللہ کی رحمت

حضور ﷺ نے ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلاتا، اللہ کی رحمت نجات دلاتی ہے، تو پوچھا گیا کہ حضور ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟ فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی، ”إِلَّا أَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ“ (بخاری: ۵۳۴۹) جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہوگی، اللہ کا فضل نہیں ہوگا، کچھ نہیں ہوگا، یہ وہ کہہ رہا ہے جو سید الانبیاء ہے، سید المرسلین ہے، سید ولدِ آدم ہے، جس کے لیے اللہ کی طرف سے معراج کا فیصلہ ہوا، جس کی امامت وسیادت اور قیادت پر فرشتے متفق ہیں، انسان متفق ہیں اور انبیاء متفق ہیں، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ”إِلَّا أَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ“.

اعمال کی اہمیت

معاملہ بہر حال اللہ کی رحمت کا ہے، اور اللہ کے فضل کا ہے، ہمارے دست و بازو سے کچھ نہیں ہوتا، ہماری صلاحیتوں سے کچھ نہیں ہوتا لیکن حکم ہمیں ہے کہ دست و بازو کا استعمال کریں، حکم ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کا استعمال کریں، حکم ہے کہ تم کام کرو، ﴿قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ﴾ (سورہ توبہ:۱۰۵) حکم فرمایا: اے نبی! آپ کہہ دیجئے ان سے کہ کام کرو، اللہ تمہارے کام دیکھے گا، نبی کام دیکھیں گے، ایمان والے کام دیکھیں گے، اور جا بجا قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ تمہارے عمل سے ایسا ہوا، اور ایسا ہوا، تم بگڑے تو اپنے عمل سے، بنے تو اپنے عمل سے، ایک طرف یہ بھی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ عمل کی توفیق بھی تو اللہ کے دربار سے ملتی ہے، کتنے ہیں جو محروم ہیں، اور کتنے ہیں جو سعید و خوش بخت ہیں، خوش بختی کے فیصلے اللہ نے کئے ہیں، اور بد بختی کی مار اللہ کی طرف سے پڑتی ہے، اور جب سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے تو ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم عبدیت کی زمین سے لپٹ جائیں، ہم عبدیت کی مٹی اور خاک کو اپنی پیشانی پر رکھیں، ہم یہ طے کر لیں کہ ہم اللہ کے بندے بن کر، جھک کر، تواضع اختیار کر کے، مٹ کر رہیں گے، اور بندگی کی زندگی گذاریں گے۔

فنافی اللہ کا مقام، اور قارون کا انجام

کہتے ہیں صوفیاء کرام کے یہاں فنافی اللہ کا ایک مقام ہے، جس سے بقاء باللہ نصیب ہوتا ہے، اور فنافی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لئے اپنے آپ کو مٹا دو، اپنی جان کو مٹا دو، اپنے مال کو قربان کر دو، اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دو، پھر اپنے کو مت دیکھو، نگاہ اپنی ذات پر مت مرکوز کرو، انانیت اور نفسانیت کے شکار مت بنو، اپنے جسم کو مت

دیکھو، اپنے مال ومنال کو، اپنے محلات کو، اپنی کاروں کو، اپنی کھیتیوں کو، اپنے باغات کو مت دیکھو، جس کی نگاہ اپنی چیزوں پر ہوتی ہے وہ وقت کا قارون بن جاتا ہے، اور جو وقت کا قارون بن جاتا ہے، اس کو مکان سمیت زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے۔ قارون نے کہا تھا ﴿أُوتِيْتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِندِيْ﴾ (سورۂ قصص:۷۸) میں نے یہ سارا مال اپنے ہنر سے کمایا ہے، میں نے یہ سرمایہ اپنی صلاحیتوں سے کمایا ہے، ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ﴾ (سورۂ قصص:۸۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ہم نے اس کو اور اس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا، یہ انجام ہے انانیت ونفسانیت، اور تکبر وکفر کا۔

سب کچھ اللہ کا ہے

دوسری طرف وہ بندے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارا کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، جن سے یہ کہلوایا جاتا ہے کہ ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ☆لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ☆﴾ (سورۂ انعام:۱۶۲و۱۶۳) فرمایا گیا کہ کہو: میری نماز، اور میری قربانی، اور میری زندگی، اور میری موت، صرف اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہانوں کا مالک وپروردگار ہے، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں اس کی تابعداری میں پہل کرنے والا ہوں، سبقت لے جانے والا ہوں، پیچھے رہنے والا نہیں ہوں ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِيْ الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ☆ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ☆﴾ (سورۂ:۲۶و۲۷) فرمایا گیا

کہ کہو کہ اے سارے بادشاہوں کے بادشاہ! اے کائنات کے مالک! اے شہنشاہِ عالم! اے شہنشاہِ کائنات! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل کردیتا ہے، خیرو بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، ہر چیز پر تیری قدرت ہے، تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے، دن کو رات میں داخل کرتا ہے، زندہ کو مردے سے اور مردہ کو زندے سے نکالتا ہے، قدرت تیری ہے، جلوے تیرے ہیں، وجود تیرا ہے، ہم تو مظہر ہیں، عکس ہیں، ہماری اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

فنائیت کا آخری مقام

یہ فنائیت کا مقام ہے، جب انسان فنائیت کے اس مقام تک پہونچ جاتا ہے اور اپنے کو مٹا دیتا ہے، جیسے بیج مٹی میں مٹ جاتا ہے، زمین کی تہوں میں چھپ جاتا ہے، مٹی اس پر ڈال دی جاتی ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے، اور جب وہ فنا ہو جاتا ہے تو بقاء اور ترقی کا دور شروع ہو جاتا ہے، زمین کی تہوں میں اس کی کونپل نکلتی ہے، اور ریشم سے نازک یہ چھوٹی سی کونپل زمین کو چیرتی ہے، وہ زمین جس کو پھاوڑے کھودتے ہیں، اور جس پر کدال چلائی جاتی ہے، اللہ کی قدرت سے یہ کونپل زمین کو چیرتی ہوئی باہر نمودار ہو جاتی ہے، نرم و نازک پودا زمین کو چیر کر اوپر نمودار ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جو مردہ کو زندے سے اور زندہ کو مردے سے وجود میں لاتا ہے، وہی یہ کہتا ہے کہ پودوں کو دیکھو کہ کس طرح سے ہم مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں، اسی طرح قبروں سے تم کو اٹھا کر کے کھڑا کریں گے، جیسے پہلے تم نہیں تھے، ہم نے تم کو وجود عطا کیا، پھر تم نہیں ہو گے، ہم تم کو وجود عطا کریں گے، بہر حال بیج فنا ہوا، تو درخت کو بقا ملا۔

ایمان کا تقاضہ

میرے بزرگو! فنائیت کا یہ وہ مقام ہے جسے عبدیت کہتے ہیں، جسے اسلام کہتے ہیں، جسے دین کہتے ہیں، جسے حقیقت کہتے ہیں، جسے صوفیا طریقت کہتے ہیں، جسے فقہاء شریعت کہتے ہیں، یہی ایمان ہے، یہی حقیقی روحانیت ہے، یہی دل کی زندگی ہے، یہی باطن کا نور ہے، یہی عقل سلیم اور ذہن مومن کا تقاضہ ہے، جب اس مقام کو کوئی پہونچ جاتا ہے، اور اپنی اور تمام اشیاء کی نفی کر دیتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کلمہ سمجھ لیا، اس نے دین کی حقیقت سمجھ لی، لا الہ الا اللہ کی ضرب اس نے اپنے دل پر، نفس پر، دماغ پر، وجود پر، پیسہ پر، مملوکات پر، حاکموں پر، طاغوتوں پر، ابلیس پر، شیاطین پر لگا لی، اور تمام طاقتوں پر لگا دی، ہر چیز پر لا الہ کی ایسی ضرب کاری لگا دی کہ ہر چیز فنا ہوگئی، اب سوائے اللہ کے کچھ باقی نہیں رہ گیا، اسی کو صوفیہ وحدۃ الوجود کہہ دیتے ہیں، اسی کو محققین وحدۃ الشہود کہتے ہیں، یہ مختلف مراتب و مقامات ہیں، لیکن لا الہ سے پہلا زینہ شروع ہوتا ہے، اگر اس زینہ پر ثبات و استقامت ہے، تو اگلا زینہ ''الا اللہ'' کا ہے، پھر توحید کے مراتب و مقامات کے زینے ہیں، جن پر مومن چڑھتا ہی چلا جاتا ہے، اور عروج حاصل کرتا ہی چلا جاتا ہے، لیکن:

تو عرب ہو یا عجم، تیرا لا الہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

ہر چیز فانی ہے

لا الہ الا اللہ کہنے والے تو بہت سے ہیں، لیکن اس کی حقیقت کو سمجھنے والے کم ہیں، لا الہ الا اللہ کے ذریعہ ماسوی اللہ کے فنا ہو جانے کا تصور ذہن میں بٹھایا جاتا

ہے، گویا اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، یہ درخت نہیں ہیں، یہ عمارتیں نہیں ہیں، یہ فضا نہیں ہے، یہ زمین نہیں ہے، یہ آسمان نہیں ہے، یعنی ان کا وجود فانی ہے، لیکن میری نگاہ تو ایک ہی کا جلوہ دیکھ رہی ہے، جو کسی محبوب میں گم ہوتا ہے، اس کو غیر محبوب نظر آتا ہی نہیں ہے، اس کی نگاہ کہیں جمتی ہی نہیں ہے، کسی کی بات سجتی ہی نہیں ہے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب میں گم ہے، ایسے ہی ایمان والوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے، جب اس حقیقت کو وہ سمجھ لیتے ہیں، کہ ہر حسن کے پیچھے اللہ، ہر جمال کے پیچھے اللہ، ہر جلال کے پیچھے اللہ، ہر جلوے کے پیچھے اللہ، پانی کی بوند، درخت کا ہر پتہ، حرارت و برودت، ہر چیز کے پیچھے اللہ کی کارفرمائی ہے، وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی ربّ السمٰوات والارض ہے۔

اللہ سے محبت کیسی ہو؟

اس کے ساتھ محبت ایسی ہونی چاہئے کہ انسان اپنی جان ہتھیلی پر لے کر کھڑا ہو جائے، کہ اس کے لئے اسے قربان کر دوں، اسی لئے سب سے اعلیٰ درجہ کا ایمان اس مجاہد کا ایمان ہوتا ہے جو شہادت کے لئے تیار ہوتا ہے، اسی لئے زبانِ نبوت سے سنا گیا: ''وَدِدتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ'' (بخاری: ۳۶) میری خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ میں مجھے شہید کر دیا جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر شہید کیا جائے۔

ہر کام سے مقصود اللہ ہو

یہ محبت وفنائیت کا اظہار ہے، یہ بات باطل کے خلاف صرف غصہ سے نہیں حاصل ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ باطل کے خلاف جو غصہ اللہ کی محبت میں پیدا ہوتا

ہے، وہ راہِ فنائیت کی طرف لے جاتا ہے، جو کسی سے محبت کرے گا اس سے نفرت کرنے والے سے طبعی طور پر اس کے اندر نفرت ہوجائے گی، اگر کوئی کسی سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے، اور جو اس کے خلاف ہے، اس سے اسے نفرت نہیں ہے، تو وہ جھوٹا ہے، اس کی محبت جھوٹی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا "مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَ أَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطیٰ لِلّٰهِ، وَ مَنَعَ لِلّٰه، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الايْمَانَ " (ابو داود: ٤٦٨٣) جو اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ کے لئے نفرت کرے، اور اللہ کے لئے دے، اور جو اللہ کے لئے ہاتھ روکے، اس نے ایمان مکمل کرلیا۔

کامل ایمان اور اس کے ثمرات

ایمان صرف لا الٰہ کا نام نہیں، اس کے لئے الا اللہ ضروری ہے، اسی طرح ایمان "الا اللہ" سے نہیں ہوتا، لا الٰہ ضروری ہے، نفی اور اثبات، نگیٹیو (Negetive) اور پازیٹیو (Positive) دونوں کرنٹ ملتے ہیں، تو الیکٹریسٹی پیدا ہوتی ہے، روشنی اسی وقت آتی ہے، جب نفی اور اثبات کا ملاپ ہوتا ہے، ایسے ہی شرک کی نفی اور ایمان کے اثبات کا مطلب فنافی اللہ اور بقاباللہ ہے، ارشادِ الٰہی ہے، ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبّاً لِلّٰهِ﴾ (بقرہ: ۱۶۵) ایمان والے اللہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، اللہ کے عاشقِ زار ہوتے ہیں، اللہ کی محبت میں دیوانے ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ سب سے بڑی دیوانگی وہ ایمانی محبت ہے، جو پہلے درجہ میں انبیاء کو نصیب ہوتی ہے، پھر صدیقین کو، پھر شہداء کو، نمبر ۳ پر شہداء کا درجہ ہے، اور نبی شہادت کی تمنا کر رہے ہیں، ان کے درجہ کو بڑھانے کے لئے نبی ان کے مقام کی تمنا کر رہے ہیں، چوتھے نمبر پر عام صلحاء آتے ہیں، جن کا یہ حال ہے کہ اللہ نے ان کا مرتبہ اتنا بلند کیا ہے، اور فنائیت کا وہ مقام دیا ہے کہ ان کے بارے میں فرمایا: ﴿أَلاإِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُون ﴾(یونس:٦٢)فرمایا:سن لو! اللہ کے جو ولی ہوتے ہیں، جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، اور اللہ ان سے محبت فرماتا ہے، وہ بے خوف وخطر ہوتے ہیں، وہ اپنے دل میں اللہ کا جلوہ دیکھتے ہیں، وہ اس کے لئے ایسے مٹ جاتے ہیں، ایسے فنا ہوجاتے ہیں کہ پھر انہیں نہ کسی کی تلوار نظر آتی ہے، نہ تیر ونشتر، نہ تھیلیاں انہیں رجھاتی ہیں اور نہ ہی سونے چاندی کے ڈھیر، وہ ادھر نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں، ان کی نگاہ تو بس ایک طرف لگی ہوئی ہے، لا الٰہ الا اللہ نے انہیں اللہ کی ذات وصفات میں گم کرر کھا ہے، اور اس توحید نے ایسا شیدائی اور متوالا بنادیا ہے، کہ پھر اس کے بعد تو ان کی بس یہ صورتِ حال ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِيْ التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيْلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾(توبہ:۱۱۱)

اللہ تعالی نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض میں خرید لیا ہے، وہ اللہ کے راستہ میں جنگ کرتے ہیں، مارتے ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، (اور جان کی بازی اللہ کے لئے لگاتے ہیں) اللہ کا وعدہ برحق ہے جس کا تذکرہ تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی (کہ ان کو جنت سے نوازا جائے گا) اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہے؟ پس تمہیں اپنے اس معاہدہ پر خوش ہونا چاہئے، جو تم نے اللہ سے کیا ہے، اور یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہماری جان، ہمارا مال، جنت کے ایک ذرہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، اور جنت بھی اولیاء اللہ کے یہاں اللہ کی محبت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، اسی لئے کبھی کبھی خاص کیف کے عالم میں اللہ کے نیک بندے کہہ

دیتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں چاہئے ،ہمیں اللہ چاہئے ، اللہ کی رضا کے سامنے جنت کے باغات، حوریں، محل، اور ساری نعمتیں ہیچ ہیں ، خود اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ (توبہ:۷۲) کہ اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے،اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

اب آپ سوچئے کہ جواللہ کی رضا اسی دنیامیں حاصل کرلے اس سے زیادہ کوئی مست و بے خود ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ کیف وسرور کسی کو حاصل ہوسکتا ہے؟ جب جنت، جنت کی حوریں، جنت کے باغات، جنت کی نہریں اور جنت میں سونے چاندی کے مکانات بھی ہیچ ہیں، رضائے الٰہی اتنی بڑی نعمت ہے، جس کو اس دنیا میں وہ نعمت حاصل ہوجائے، یعنی اللہ کی طرف سے رضا کا پروانہ مل جائے ،اس کے کیف ومستی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا، یہی وہ کیف ومستی ہے جو اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہے،اسی لئے ان کی زبان سے یہ جملے سنے گئے کہ ”خدا کی قسم جو کیف وسرور ہمارے اندر ہے، بڑے بڑے بادشاہوں کو اگر اس کا علم ہوجائے، تو وہ ہم سے اس نعمت کو چھیننے کے لئے تلواریں سونت لیں“۔

کمال ایمان کے چند واقعات

ابن تیمیہؒ کو جب جیل میں بند کر دیا گیا تھا، تو فرمایا کرتے تھے کہ: میری جنت تو میرے سینے میں ہے، یہ اللہ کے اولیاء اور اللہ سے محبت کرنے والوں کا حال ہوتا ہے، کہ ان کو جب کوڑے لگ رہے ہوتے ہیں، تو اس وقت بھی وہ جنت کا کیف حاصل کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کے کوڑے لگائے جارہے تھے، وہ بغداد کی جیل میں تھے، ایک معمولی سے مسئلہ پر ان کو گرفتار کیا گیا، اور ایسے کوڑے لگائے جاتے تھے کہ بیان

کرنے والوں کا بیان ہے، کہ اگر وہ کوڑے ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو وہ چنگھاڑ دیتا، اور امام احمد بن حنبل کا یہ حال تھا کہ کوڑے لگتے تھے تو وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ میں نے معتصم کو معاف کیا، وہ خلیفہ عباسی معتصم کے ظلم کا بدلہ معافی سے دے رہے تھے، صرف اس نسبت کی بناء پر کہ وہ حضورﷺ کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے ہے۔

شاید ان کے سامنے نبی پاکﷺ کا منظر آجاتا تھا کہ طائف سے واپسی ہو رہی ہے، ڈھیلے مارے جا رہے ہیں، گالیاں دی جا رہی ہیں، نوجوانوں کے غول کے غول آپ کو زخمی کر رہے ہیں، اور آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو ہدایت عطا فرما دے یہ جانتے نہیں، آپ اللہ کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں، آپﷺ زخم نہیں دیکھ رہے ہیں، اپنا بہتا ہوا خون نہیں دیکھ رہے ہیں، آپ کو ان کے مستقبل کی فکر ہے، ان کو ایمان اور ہدایت کی فکر ہے، اس سنت پر امام احمد بن حنبل عمل کر رہے تھے، کہ کوڑے لگ رہے تھے، اور وہ کہتے جا رہے تھے کہ میں نے معتصم کو معاف کیا، جب پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ حضرت عباسؓ کے خاندان کے ہیں، اسی لئے میں نے معاف کیا۔

یہی صورتِ حال اس وقت امام ابوحنیفہؒ کی تھی، جب کوفہ میں ابن ہبیرہ نے ان پر کوڑے لگوائے، انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ میں نے اسے معاف کیا، یہ اللہ کے وہ مخلص اور عظیم بندے ہیں کہ جن کی بندگی کی وسعتوں، گہرائیوں کا ہم ادراک ہی نہیں کر سکتے، اور جن کی بندگی کی بلندیوں کی طرف پرواز نہیں کر سکتے، یہ مقام اللہ کی رضا کی طلب سے پیدا ہوتا ہے، جس کی دھن یہ ہوتی ہے کہ ہمیں اپنے اللہ کو راضی کرنا ہے، اس کے لئے ہمیں اپنی زندگی کو وقف کر دینا ہے، جس میں یہ جذبہ ہوتا ہے اس کے ساتھ اللہ کے معاملات بھی عجیب ہوتے ہیں۔

حضرت مریمؑ کی والدہ اللہ سے کہہ رہی تھیں کہ ﴿إِنِّی نَذَرْتُ لَكَ مَا فِی بَطْنِی مُحَرَّراً فَتَقَبَّلْ مِنِّی إِنَّكَ أَنتَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ﴾ (آل عمران: ۳۵) حضرت مریمؑ کی والدہ اللہ سے درخواست کر رہی ہیں کہ اے اللہ! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اس کو تیرے دین کے لئے وقف کردوں گی، اے اللہ! میری اس منت کو قبول فرمالے، ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّی وَضَعْتُهَا أُنثَى وَاللّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى﴾ (آل عمران:۳۶) جب ولادت ہوئی تو بچی پیدا ہوئی، تو وہ پریشان ہوئیں کہ میں نے تو یہ نیت کی تھی کہ بیت المقدس کے لئے اس کو وقف کردوں گی، میری نیت کیسے پوری ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے تو ایک عام بچے کی تمنا کی تھی، لیکن جو بچی ان کو دی گئی تھی، وہ بچی دنیا کی خواتین میں ایک منفرد، بلند ترین مقام کی مالک بنے گی،، اور اس کے بطن سے معجزانہ طور پر عیسیٰ مسیحؑ پیدا ہوں گے، اور اس کا نام روشن ہوگا، اس کا تذکرہ انجیل میں فرمایا جائے گا، قرآن میں فرمایا جائے گا، اللہ کے یہاں اس کا تذکرہ ہوگا، اور اس کو عزت وعظمت کا وہ مقام عطا کیا جائے گا جس کا عام خواتین تصور بھی نہیں کرسکتیں، یہ مریمؑ کی والدہ کو نہیں معلوم تھا، لیکن ان کی نیت اچھی تھی، اس نیت نے دیکھئے کیسا کرشمہ دکھایا۔

اللہ کا محیر العقول نظام

بہرحال اپنے دل کو اللہ سے جوڑیئے، اللہ نے ہی وجود عطا فرمایا، اور اللہ ہی ہے جو نعمتوں سے نواز رہا ہے، صبح ہم اٹھے، تو صحت کے ساتھ اٹھنے کی اللہ نے توفیق عطا فرمائی، رات میں بستر پر لیٹے تو اللہ نے نیند عطا فرمائی، کھانا اللہ کی طرف سے مل رہا ہے، جسم میں اللہ کے حکم سے کھانا تحلیل ہو رہا ہے، خون بن رہا ہے، صحت کا انتظام

ہورہا ہے، وہ کون ہے جو رات و دن، صبح وشام، چوبیس گھنٹے ہماری دیکھ ریکھ کررہا ہے، جس نے فرشتوں کو لگا رکھا ہے، کہ وہ ہمارے تحفظ کا کام انجام دیں، جو ہر طرح کی تکلیف دہ چیزوں سے ہماری حفاظت کا انتظام کررہا ہے﴿ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللهِ ﴾(رعد:۱۱) اللہ کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں، جو آگے پیچھے چلتے رہتے ہیں، اور بحکم الٰہی حفاظت کرتے رہتے ہیں، کیا ہم اپنی حفاظت کررہے ہیں؟ حفاظت کے تمام تر انتظامات کرنے والے کیا بچ رہے ہیں؟ قلعوں میں رہنے والوں کو کیا موت نہیں آتی؟ خطرات سے بچانے والا بھی اللہ ہے، اور خطرات کے گھیرے میں لینے والا بھی اللہ ہے، بہت سے لوگ ہیں جن پر جن و آسیب کے اثرات ہیں، بہت سے وہ ہیں جو شیطانی اثرات سے پریشان ہیں، بہت سے وہ ہیں جن کو ٹھیک سے کھانا نہیں مل رہا ہے۔

عبدیت کا تقاضہ اور اس کی تکمیل کا طریقہ

فیصلے سارے اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، اللہ ہی پر اعتماد وتوکل ہونا چاہیئے، اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا ہے، اپنا کام کرتے رہنا ہے، حکم الٰہی کو پورا کرنا عبدیت کا تقاضہ ہے، اللہ کی طرف سے حکم ہے، پاکی کا، صفائی ستھرائی کا، نماز کا، روزہ کا، زکوۃ کا، حج کا، سادگی کے ساتھ صحیح طریقہ پر شادی کرنے کا، فضول خرچی سے بچنے کا، صحیح عقائد کا، اور اچھے اخلاق کا، غرض یہ کہ جو حکم بھی اللہ کی طرف سے ہے، اس کو پورا کرنا ہے، یہ ہمارا فریضہ ہے، ہم مأمور ہیں، ہم بندے ہیں، ہم اللہ کے محتاج ہیں، اور ہمیں اللہ کو راضی کرنا ہے، اس لئے نہیں کہ ہم مجبور ہیں، بلکہ خوشی کے ساتھ، ایمانی جذبہ کے ساتھ، جوش کے ساتھ، محبت کے ساتھ، اور اللہ جل جلالہ سے لو لگا کر، انابت اختیار کرتے ہوئے، اور اسی پر توکل کرتے ہوئے۔

جب یہ ہوتا ہے تو انسان کا ہمہ وقت رابطہ اپنے اللہ سے قائم ہوتا جاتا ہے، جس کو صوفیہ پاسِ انفاس کہتے ہیں، کہ جو سانس نکل رہی ہے، اور جو سانس آرہی ہے، ہر سانس جو جارہی ہے، ذکرِ الٰہی مین گھلی ہوئی ہے، ذکرِ الٰہی کی چاشنی کی لذت لے رہی ہے، کوئی سانس بھی نہ غفلت سے نکل رہی ہے، اور نہ غفلت سے داخل ہو رہی ہے، جب یہ کیفیت بندے پر طاری ہو جاتی ہے، تو وہ نبی پاک ﷺ کا سچا نمائندہ بنتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ ''كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ أَحْيَانِهِ'' حضور ﷺ ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے آپ ﷺ نے اللہ کا ذکر اس طرح سے ہر عمل کے ساتھ جوڑ دیا تھا، کہ کھانے کے وقت ذکر، کھانے سے فراغت پر ذکر، پانی پینے پر ذکر، پانی سے فراغت پر ذکر، سونے کے وقت ذکر، سونے سے اٹھنے پر ذکر، استنجاء جانے کے لئے ذکر، نکلنے پر ذکر، گھر میں داخلہ کے لئے ذکر، خارجہ کے لئے ذکر، بازار جانے کے لئے ذکر، ہر چیز کا ایک ورد، اور ایک ذکر تلقین فرمادیا گیا تھا، سونے کے لئے لیٹ رہے ہیں تو کہہ رہے ہیں: ''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ أَمُوْتُ وَأَحْيَا'' اٹھ رہے ہیں تو کہہ رہے ہیں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانِيْ بَعْدَ مَا أَمَاتَنِيْ وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ'' کھانے کے لئے بیٹھ رہے ہیں تو پڑھ رہے ہیں: '' بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلىٰ بَرَكَةِ اللّٰهِ'' کھا کے اٹھ رہے ہیں تو کہہ رہے ہیں،: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' پانی پی رہے ہیں تو: ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کہتے ہیں، اور پی چکے تو کہتے ہیں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانِيْ وَأَرْوَانِيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' غرض کہ اس طرح ہر عمل کے ساتھ اللہ کی یاد جوڑ دی گئی۔

ان اذکار و اوراد کے ذریعہ نبی ﷺ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا بتانا چاہتے ہیں؟ درحقیقت وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بس اللہ والے بن جاؤ، اللہ میں گم ہو جاؤ، اللہ

میں فنا ہو جاؤ، اللہ کے لئے مٹ جاؤ، ہر غیر اللہ پر لا الٰہ کی ضرب لگاؤ، بت ہو، صنم ہو، قبر ہو، آستانہ ہو، زندہ ہو، مردہ ہو، حاکم ہو، یا پیر فقیر، کوئی بھی ہو، لا الٰہ، لا الٰہ کی ضرب ہر غیر اللہ پر لگاؤ! کوئی نہیں ہے، جس کے ہاتھ میں طاقت ہو، قدرت ہو، ملکیت ہو، تخلیق ہو، رزق ہو، کوئی نہیں ہے جس کے ہاتھ میں کچھ بھی ہو، الّا اللہ! جو کچھ ہے اللہ سے ہے، یہ بات دل میں بٹھائی جاتی ہے، دماغ میں جمائی جاتی ہے، ریشے ریشے میں اتاری جاتی ہے، ذرا غور فرمایئے! نبی علیہ السلام ﷺ سے کیسی کیسی دعائیں منقول ہیں، فرماتے تھے کہ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْراً، وَفِیْ عَصَبِیْ نُوْراً، وَفِیْ لَحْمِیْ نُوْراً، وَفِیْ عَظْمِیْ نُوْراً، وَ فِیْ دَمِیْ نُوْراً، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ نُوْراً، اَللّٰھُمَّ أَعْظِمْ لِیْ نُوْراً" اے اللہ! میرے دل میں نور داخل کردے، میرے پٹھوں میں داخل کردے، میرے گوشت میں داخل کردے، میری ہڈیوں میں داخل کردے، میرے خون میں داخل کردے، میرے لئے نور کا انتظام فرمادے، مجھے عظیم نور عطا فرما، اس کا ہمارے لئے تو تصور بھی مشکل ہے، کیا معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک ایسی کیفیت نورانی ہوتی ہے کہ جو ریشے ریشے میں سرایت کر جاتی ہے، اور پھر ساری ظلمتیں باہر نکل جاتی ہیں۔

رب والے بن جاؤ

لا الہ الا اللہ کی ضرب صرف عقیدے کی ضرب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ایک ایسی کیفیت احسانی ہوتی ہے، تزکیہ کا ایک مقام ہوتا ہے، تعلق مع اللہ کی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے، نبی علیہ السلام ﷺ سے تشبہ کی ایک ایسی صورتِ حال ہوتی ہے، کہ جس میں ریشہ ریشہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتا ہے، ہر بن مو سے، لا الہ الا اللہ کی صدا آتی ہے، پورا وجودِ انسانی اللہ کا ترجمان بن جاتا ہے، اور مسلمان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ اللہ والا

بن جائے ﴿وَلَـٰكِن كُونُواْ رَبَّـٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ (آل عمران:۷۹) اللہ نے فرمایا کہ رب والے بن جاؤ، اے استادو، اے طالب علمو، اے مردو، عورتو، بڑو، چھوٹو! رب والے بن جاؤ، علم حاصل کرو، رب والے بننے کے لئے، دین حاصل کرو، رب والے بننے کے لئے، رب کو یاد کرو، ربانی: ''رب والا'' اردو میں ہم اس کا ترجمہ کر نہیں پار ہے ہیں، ربانی کے رگ وریشہ میں اللہ پر ایمان، نبی پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، جنت ودوزخ پر ایمان، قبر پر ایمان، آخرت پر ایمان سرایت کر جاتا ہے، پھر اس مؤمن کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کا جسم کاٹ دیا جائے، ہڈیاں تراش دی جائیں، آرے چلا دئے جائیں، اس کا ایمان چھینا نہیں جاسکتا، اس سے انسان کو پھر محروم نہیں کیا جاسکتا۔

تکمیل عبدیت کے کرشمے

نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے، ایک موقع پر حالات کی سختی سے بے چین ہو کر ابوذر غفاریؓ یا کسی اور نے کہا کہ حضور ﷺ اللہ سے مدد مانگئے، اللہ کی نصرت طلب کیجئے، تو آپ ﷺ جوش میں آگئے اور کہنے لگے، ابھی سے بے تاب اور بے چین ہو گئے، تم سے پہلے ایسے ایمان والے گذرے ہیں کہ جن پر آرے چلا دئے گئے، لوہے کی کنگھیوں سے ان کی کھالیں ادھیڑ دی گئیں، لیکن وہ ایمان چھینا نہیں جاسکا، اللہ تعالیٰ نے سورۂ بروج میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کو گڑھے کھود کر الاؤ جلا کر بھڑکتی ہوئی آگ میں جھلسایا گیا تھا، اور ظالم تماشہ دیکھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دی کہ تمہیں جو ظلم کرنا ہے کرلو، لیکن ظالم کی پکڑ ہونی ہے، مظلوم کی مدد ہونی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات میں مظلوم کو اتنی قوت عطا کی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں جل رہا ہوتا ہے، لیکن اللہ کی محبت میں وہ ایسا فنا ہو چکا ہوتا ہے، کہ اب نئ

فنا سے نہیں گذرتا، دوسرے لوگ دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں کہ یہ کتنے سخت عذاب میں ہے، لیکن اللہ کی طرف سے اس پر ایک ایسی کیفیت طاری کی جاتی ہے کہ اس عذاب میں بھی رحمت الٰہی کا اس کو ایک سہارا ہوتا ہے۔

ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ کے الاؤ میں پھینکا تھا، وہ اللہ کے خلیل تھے، اور توحید کی محبت میں وہ خلیل بنائے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا جو سب سے امتیازی وصف ذکر فرمایا ہے، وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان، اور اللہ کے لئے فدائیت اور فنائیت کے جذبات ہیں، اس کی خاطر وہ بڑے سے بڑے مجمع سے بھڑنے کے لئے تیار، وقت کی ہر طاقت سے ٹکرانے کے لئے تیار، وہ وقت کی ہر طاقت کو چیلنج دے کر کہتا ہے ﴿كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَداً حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ (ممتحنہ:۴) ہم تمہیں نہیں مانتے تمہاری طاقت کو نہیں مانتے، ہم تمہیں تسلیم ہی نہیں کرتے، ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت ہے، دشمنی ہے، جب تک تم ایک اللہ کو نہیں مانتے، بندگی کا یہ بہت بلند ترین مقام ہے، ہم اس کے تصور کی بلندی تک نہیں پہونچ سکتے، خلیل اللہ نے اللہ کی محبت میں ڈوب کر جب یہ کہا، تو اللہ نے ان کی خاطر نظام کائنات میں تبدیلیاں پیدا کردیں، اور فرمایا: ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلَاماً عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ (انبیاء:٦٩) ہم نے کہا: اے آگ! سلامتی اور ٹھنڈک بن جا، بتائیے کون حکم دے رہا ہے؟ وہی اللہ جس نے آگ بنائی، جس نے لکڑی میں جلنے کی خاصیت رکھی، وہ کہہ رہا ہے، اس کائنات کا خالق اور حاکم مطلق آگ کو حکم دے رہا ہے کہ ٹھنڈک بن جا، لہٰذا آگ جل رہی تھی لیکن اس سے ٹھنڈی ہوا ابراہیمؑ کو مل رہی تھی، فنا ہونے والے بندہ کے لئے یہ غیر معمولی اثر ظاہر تھا، ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (یسین:۸۲) اللہ کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے، تو ارشاد ہوتا ہے، ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ ایران کی فتح کے لئے چلے تھے، دریائے دجلہ کے سامنے کھڑے تھے، اور سلمان فارسیؓ سے کہہ رہے تھے، کشتیاں ہیں نہیں، دشمن اس پار ہے، ہمیں اس تک پہونچنا ہے، کیا کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا: یہ دین ابھی تازہ ہے، اور یہ اسی لئے آیا ہے کہ اسے پھیلنا ہے، اللہ کا نام لیجئے، اور دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیجئے، اللہ پار لگائے گا، تاریخ کا مستند بیان ہے کہ دریائے دجلہ میں اس طرح گھوڑے رواں دواں تھے، جس طرح کشتیاں چلتی ہیں، لوگ حیران تھے، ایران کے بارڈر پر کھڑی فوج یہ منظر دیکھ کر چیخ اٹھی (دیواں آمدند، دیواں آمدند) ارے جن آگئے، بھوت آگئے، وہ حیران تھے کہ کیسے ان کے گھوڑے اس طرح تیرتے ہوئے چلے آرہے ہیں؟ یہ اسلام کا معجزہ اور صحابہ کرام کی کرامت تھی، وہ بے ایمان مجوسی اور آتش پرست اسے کیا سمجھتے؟

جب پہاڑ سے اونٹنی نکل سکتی ہے، اور لاٹھی سانپ بن سکتی ہے، دمِ عیسیٰؑ سے مردے زندہ ہوسکتے ہیں، کوڑھی اور مبروص صحت مند ہوسکتے ہیں، تو غلامانِ رسول ﷺ کے گھوڑے پانی پر کیوں نہیں چل سکتے؟ جب بندہ اللہ کا ہوجاتا ہے، تو اللہ اس کا ہوجاتا ہے، جو اللہ کے دین کی مدد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے، وعدہ ہے کہ اللہ اس کی مدد کرتا ہے، ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (مومن: ۵۱) فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد دنیا میں کرتے ہیں، اور ان کی بھی جو ان پر ایمان لاتے ہیں، اور قیامت کے دن بھی ہم ان کی مدد کریں گے، ﴿وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (صافات: ۱۷۳) ہمارا ہی لشکر غالب آتا ہے، ﴿أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (مجادلہ: ۲۲) سن لو! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہوتی ہے، ظالموں کو موقع دیا جاتی ہے، فرعون کو ڈھیل دی گئی اس نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑے، نمرود کو ڈھیل دی گئی اس نے خوب مظالم کئے، دنیا میں ڈھیل کے یہ

مواقع اللہ کی طرف سے دیئے جاتے ہیں، ﴿ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْداً ﴾ (طارق:۱۷) تھوڑی مدت کے لئے چھوڑے رکھو، لیکن بعد میں وہی سنۃ اللہ جاری ہوتی ہے کہ ظالم کو پکڑا جاتا ہے، اور مظلوم کی مدد کی جاتی ہے، دین کی مدد کرنے والوں کو مدد فراہم کی جاتی ہے، ﴿ إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴾ (محمد:۷) تم اللہ کے دین کی مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا، عمل دل کی گہرائی سے، ایمان کی پختگی کے ساتھ، اس پر یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں کیا جانا ہے، اگر تمہارا دل خود ڈگمگا رہا ہوگا، تمہارے دل میں شیطان وسوسے پیدا کر رہا ہوگا، تمہارے دل میں شکوک وشبہات کا نفاق بھرا ہوگا، زبان سے تم لا الہ الا اللہ کہتے ہوگے اور تمہارے دل میں بت سجے ہوں گے، تو ظاہر ہے کہ اللہ کے وعدے تمہارے ساتھ پورے نہیں ہوں گے، ہاں! جن کے دلوں میں اللہ کی قدرت وقوت پر ایمان کامل ہوگا، جن کے دل اللہ کی کبریائی سے، اللہ کے جلال سے معمور ہوں گے، جن کی نگاہ کہیں جھکتی نہیں ہوں گی، وہ بڑے بڑے حاکموں کو اور بڑی بڑی طاقتوں کو مکڑیوں کا جالا سمجھتے ہوں گے، ان کو نوزا جائے گا۔

باطل طاقتوں کی حقیقت اور ہماری کمزوری

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے سہاروں پر تکیہ کر رکھا ہے، ان کی مثال مکڑی کی مثال کی ہے، جو اپنا گھر بناتی ہے ﴿ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً، وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴾ (عنکبوت:۱۷) اور سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے، مکڑی کا جالا دنیا کی سب سے کمزور پناہ گاہ ہے، جس کی تخریب ایک تنکہ سے ہو جاتی ہے، ہم سب جانتے ہیں کہ مکڑی کا گھر کمزور ہوتا ہے، لیکن ہم یہ نہیں

جانتے کہ واشنگٹن کمزور ہے،لندن کمزور ہے، پیرس کمزور ہے،ہم یہ نہیں مانتے کہ فسطائی طاقتیں کمزور ہیں،فوجیں کمزور ہیں، یہاں ہمارا دل اور ہمارا ذہن کام نہیں کرتا، ہمارا دل اس کو مان نہیں پاتا،قدرت الٰہی کا غیب ہماری آنکھوں کے شہود پر غالب نہیں آپاتا، ہمارا یقین متزلزل ہوجاتا ہے،ہمارا ایمان ٹھوکریں کھانے لگتا ہے، ہماری نگاہیں پتھرا جاتی ہیں، کلیجے منہ کو آنے لگتے ہیں،قلت و کثرت کے فلسفے ہمارے ذہنوں کو شکار کرلیتے ہیں،پھر ہمارے سامنے تجلیات الٰہی باقی نہیں رہتیں، ہم نے فنا فی اللہ کا مقام کیونکہ حاصل نہیں کیا،اس لئے بقاء باللہ کا مقام نہیں ملتا،لیکن جو اس مقام سے گزر جاتے ہیں، جام شہادت نوش کرلیتے ہیں، وہ عالمِ غیب سے پکار پکار کر کہتے ہیں،﴿یَالَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ، بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ﴾ ان کو شہادت کے خون میں اللہ کے جلوے نظر آتے ہیں، وہ مزدور بن کر زمین کھود رہے ہوتے ہیں، اور سارا ملک ان کے خلاف اکھٹا ہوجاتا ہے، اور وقت کی تمام طاقتیں انہیں گھیر لیتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھے ملک فتح ہوتے نظر آرہے ہیں، میرے سامنے عراق و شام اور یمن کے محلات روشن ہوگئے ہیں۔

نبی پاک ﷺ مدینہ منورہ کے شمالی حصہ میں صحابہ کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں، پھاوڑے ہاتھوں میں ہیں، جو زمین پر چلائے جا رہے ہیں ، کدالیں ماری جارہی ہیں ، ایک چٹان کسی طرح سے ٹوٹ نہیں رہی ہے، جوان تھک گئے ہیں، کدالیں ٹوٹ گئی ہیں، شکوہ اس نبی سے کیا جارہا ہے، جس کے پیٹ پر دو دن کے فاقے کی علامت کے طور پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، کہ ایک چٹان نہیں ٹوٹ رہی ہے، اس کے بعد نبی ﷺ اپنے پھاوڑے اور اپنی کدال کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں، اس چٹان پر ایک ضربِ کاری لگاتے ہیں، لوہا پتھر سے ٹکراتا ہے تو چنگاریاں اچھلتی ہیں، اور آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”لقد أضاء ت لی قصور العراق“ ان

چنگاریوں نے عراق کے محلات روشن کردیئے، پھر ایک مرتبہ ضرب لگاتے ہیں، چنگاریاں اٹھتی ہیں، فرماتے ہیں: "لقد أضاء ت لی قصور الشام" انہوں نے میرے لئے شام کے محلات روشن کردیئے، پھر ایک مرتبہ ضرب لگاتے ہیں، چنگاریاں اٹھتی ہیں اور فرماتے ہیں: " لقد أضاء ت لی قصور یمن " یمن کے محل میرے سامنے روشن ہوگئے، دشمن کے متحدہ محاذ سے حفاظت کے لئے جو مسلمانوں کو تہس نہس کرنے پر تل گیا ہے، مسلمان خندق کھود رہے ہیں، نبی ان کے ساتھ مزدور بنے ہوے کام کررہے ہیں، لیکن اس کی خوشخبریاں دے رہے ہیں کہ عراق فتح ہوگا، شام فتح ہوگا، یمن فتح ہوگا، ظاہر ہے کہ جن کے دلوں میں ایمان نہیں تھا، وہ اس کا مذاق اڑا رہے تھے، منافقین تبصرے کررہے تھے، پھبتیاں کس رہے تھے، لیکن ایمان والوں کو یقین تھا کہ ہماری آنکھیں دھوکہ کھاسکتی ہے لیکن نبی ﷺ کی بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

یاد کیجئے سن ۵ ھ کا یہ واقعہ ہے، یہ غزوۂ خندق کی ابتدائی تیاریاں ہیں، جس میں ظاہری اسباب متحدہ محاذ کی فتح کے ہیں، ار مسلمانوں کی فاش شکست کے، لیکن جب اہلِ ایمان نے نصرت دین کی شرط پوری کردی، تو نصرت الٰہی نے ان جتھوں اور لشکروں کو تتر بتر کردیا، اور ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا، ٦ ھ میں یہ دشمن صلح پر مجبور ہوئے، اور ۸ ھ میں یہ مرعوب و مغلوب ہوکر آخری شکست سے دوچار ہوئے، ہجرت کے صرف دس سال بعد جزیرۃ العرب فتح ہوگیا، ۱۱ ھ میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم ہورہا ہے، اب رومن امپائر کے چھکے چھڑادو، اب گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں دنیا سے جارہا ہوں، اب یہ کام تمہارے ذمہ ہے، دنیا کو ظالموں کے ظلم سے آزاد کراؤ، بہرحال حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جا ہی رہا تھا کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت طئے ہوئی، تو ان کا پہلا کام یہ تھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روم

کی سرکوبی کے لئے جائے، عمرؓ جیسا شخص یہ کہنے لگا کہ حالات اس وقت اچھے نہیں ہیں، ارتداد پھیل رہا ہے، اس وقت ہم ان کو یہاں سے روانہ کردیں، حکمت کے خلاف ہے، یہ سن کر ابوبکرؓ جوش میں آجاتے ہیں، اور کہتے ہیں: جاہلیت میں بڑے بہادر بنتے تھے، اسلام میں بزدلی دکھا رہے ہو؟

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

آج بہت سے دانشور، بہت سے مولوی، بہت سے پیرانِ طریقت، حکمت کے نام سے خوف و بزدلی اور بے عملی پیدا کرتے ہیں، بلکہ کبھی حکمت نفاق کی ترجمان ہوجاتی ہے، وہاں حکمت کچھ اور تھی، یہاں حکمت کچھ اور، بہرحال اسامہؓ کا لشکر روانہ کیا گیا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں وہ منظر سامنے آیا کہ ابوعبیدہ بن جراحؓ اور خالد بن ولیدؓ شام فتح کررہے ہیں، عمر فاروقؓ شہر القدس میں صفرونیس لاٹ نامی پادری سے کلیسا کی چابی لے رہے ہیں، مسجد اقصی کا دوبارہ قیام فرمارہے ہیں، پھر دیکھا گیا کہ سعد بن ابی وقاصؓ ایران فتح کررہے ہیں، عمرو بن العاصؓ مصر فتح کررہے ہیں، عقبہ بن نافعؓ افریقہ کی شمالی پٹی فتح کررہے ہیں، موسی بن نصیر کے غلام طارق بن زیاد اندلس فتح کررہے ہیں، محمد بن قاسم سندھ فتح کررہے ہیں، یہ نبوی حکمت عملی کا نتیجہ تھا، رومن امپائر سے معرکہ آرائی کی فتوحات تھیں، یہ ایران کی سپر پاور سے ٹکراؤ کے نتائج تھے، یہ سب کچھ لشکر اسامہ کی نبوی تیاری، اور دور صدیقی میں اس کی روانگی کے عطایا وتحائف تھے، یہ للّٰہی اور ربانی تربیت کا ثمرہ تھا، یہ تربیت مظاہروں اور شکلوں سے نہیں ہوتی، یہ حقیقی فنائیت فی اللہ کے ثمرات ہیں، جب لا الہ کی ضرب کاری باطل پہ پڑتی ہے، تب الا اللہ کی حقیقت فتح ونصرت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، جب دل ودماغ میں اللہ کی عظمت وشہنشاہی کا سودا سماتا ہے، گھروں میں، مسجدوں میں، بازاروں میں

اللہ کے ذکر کا شور وغلغلہ بلند ہوتا ہے، اسکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، یہاں تک کہ حکومت کے ایوانوں میں اللہ کی کبریائی کا بول بالا ہوتا ہے، تب حقیقی تبدیلیاں وجود میں آتی ہیں، اللہ کے وعدے پورے ہوتے ہیں، پھر اسلام کے معجزات اور مجاہدوں کی کرامات ظاہر ہوتی ہیں، اللہ کی نصرت ومدد کا ظہور ہوتا ہے، اللہ نے چاہا تو موسیٰ کے عصا کو معجزہ بنادیا،، اللہ نے چاہا تو دمِ عیسیٰ میں اعجاز پیدا کر دیا، علیہم الصلوات والتسلیمات، اور جب اللہ نے چاہا تو آخری نبی ﷺ کو بے شمار وقتی معجزات، اور ایک دائمی معجزہ سے نواز دیا، اللہ نے چاہا تو سعد بن ابی وقاص ؓ کو، عقبہ بن نافع کو اور کن کن اصحاب رسول اور غلامانِ رسول ﷺ کو کرامات سے نوازا گیا۔

ایک اور نیک بن جائیں

قصبہ مرڈیشور کے دوستوں، بھائیوں اور عزیزوں سے کہتا ہوں کہ اگر آج کے حالات میں کچھ کرنا ہے، تو پہلے یہ طے کریں کہ ہم اللہ والے بنیں گے، نبی ﷺ کے فدائی بنیں گے، صحابہ ؓ کے عاشق بنیں گے، اولیاء اللہ سے محبت کریں گے، آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے رہیں گے، ہر طرح کے تفرقوں جھگڑوں اور خرخشوں کو دور کریں گے، ایمان کی بنیاد پر اخوت اور بھائی چارے کے رشتہ میں منسلک ہوجائیں گے، اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیں گے، اپنی عورتوں کو دین کی فدائی اور شیدائی بنائیں گے، عائشہ صدیقہ ؓ، فاطمہ زہراء ؓ کے نمونوں کو عام کریں گے، ہمارے یہاں ہر چیز سنت کے مطابق ہوگی، کسی مسئلہ میں بھی ہم سنت کو ترک کر کے فیشن کو اختیار نہیں کریں گے۔

ہم یقین کریں گے کہ ﴿إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى﴾ (بقرہ:۱۲۰) ہدایت صرف اللہ کی ہدایت ہے، ہدایت صرف قرآن وحدیث سے حاصل کرنی ہے، اگر آپ یہ فیصلہ کرلیں گے، تو قسم بخدا بڑے سے بڑے ترقی یافتہ شہر سے یہ چھوٹی سی

بستی آگے بڑھ جائے گی، پہلے دل کی دنیا کو درست کیجئے، دل کے قطب نما کی سوئی اللہ کی طرف کر دیجئے، پھر آپ کے جسم کا جہاز توحید کے رخ پر بڑھتا چلا جائے گا، لا الٰہ کی ضرب کاری پہلے اپنے دل کے نہاں خانۂ باطل پر لگائیے، پہلے دل کے اندر کے بتوں کو باہر نکالئے، اپنی خوہشات پر قابو پائیے، اپنے گھروں کے اندر باطل کو گھسنے سے روکئے، اپنے شیطان پر پے بہ پے حملے کیجئے، اس کی کمر توڑ کے رکھ دیجئے، اس پر غالب آجائیے، پھر آپ کی حفاظت کا وعدۂ الٰہی ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَان ﴾ (حجر:۴۲) ابلیس نے جس وقت یہ کہا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے بندوں کو گمراہ کردوں گا، تو اللہ نے فرمایا: جو میرے خاص بندے ہوں گے، ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا، جو صحیح معنی میں مرے بندے ہوں گے، میری بندگی کریں گے، میری اطاعت کریں گے، میری بات مانیں گے، میرے دین میں لگیں گے، او ابلیس! تیرا کچھ زور ان پر نہیں چلے گا، ظاہر ہے کہ جب ابلیس کا زور نہیں چلے گا، تو ابلیس کے شاگردوں کا کیا زور چلے گا؟ امریکہ ہو یا روس، برطانیہ ہو یا فرانس، طاقت ہو یا چالیں، کسی کا زور نہیں چلے گا، اور ابلیس شکست، اس کی ذریت کی شکست اور ان کے تمام ایجنٹوں کی شکست ہوگی۔

جب ہم نے اپنے گھر کو ابلیس اور اس کی ذریت سے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کرلیا، تو ظاہر ہے ہمارے گھر میں کوئی شرکیہ بات نہیں ہوگی، کوئی بدعت نہیں ہوگی، کوئی منکر نہیں ہوگا، گھر فسق وفجور سے پاک ہوگا، فلمیں نہیں دیکھی جائیں گی، عریانیت نہیں ہوگی، جوے، شراب اور گندی باتوں سے معاشرہ پاک ہوگا، نماز نہیں چھوڑی جائے گی، روزہ ترک نہیں کیا جائے گا، زکوۃ جس پر واجب ہے وہ زکوۃ ادا کرے گا، اور جس پر حج فرض ہے وہ حج کرے گا، عورت اپنے گھر کو سنت کے سانچے میں ڈھالے گی، اور دین کا ماحول قائم کرے گی، ہر نوجوان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اسلام کا سپاہی بنے گا، اور اس کے تحفظ میں لگا ہوگا، وہ پہلے اپنے کو ٹھیک کرے گا، پھر

دوسروں کو دعوت دے گا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں لگے گا، پھر آپ کو ہر طرح کی ترقی حاصل ہوگی، اللہ کی طرف سے نعمتوں کا انتظام ہوگا، اللہ اپنے راستوں کو آسان فرماتا چلا جائے گا، اور ایک نیا دور شروع ہوگا، ایک نئی امنگ، ایک نئے آہنگ کے ساتھ نئی فتح، اور نئی ترقی کا دروازہ کھلتا جائے گا۔

حالات کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

حالات کا مقابلہ اس ترتیب سے کرنا ہے، مقابلہ حیلوں سے، حوالوں سے، احتجاجوں سے، مظاہروں سے، ریلیوں سے، شکوہ شکایتوں کے انبار سے نہیں ہوتا، اس امت مسلمہ کے حالات دوسری قوموں کی طرح نہیں بدلتے، اس امت مسلمہ کے حالات قرآن کی رہنمائی میں بدلتے ہیں، حدیث کی روشنی میں بدلتے ہیں، سیرتِ طیبہ کے اسوہ سے بدلتے ہیں، صحابۂ کرام کے نمونوں سے بدلتے ہیں، سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے سے بدلتے ہیں، اور سب سے بڑی بات، سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اللہ کی محبت سے بدلتے ہیں، ایسی محبت جو ساری محبتوں کو سوخت کر دے، ہر محبت اسی محبت کے سر چشمہ سے پھوٹے، اور جو اللہ سے ٹوٹے اس سے اللہ کا دیوانہ بھی ٹوٹے، وہ صاف کہہ دے: اگر تمہارا اللہ سے تعلق نہیں تو میرا تم سے تعلق نہیں، میں مجبور ہوں، میرے دل میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں، بھائی اسی وقت بھائی ہوگا جب وہ مومن ہوگا، بہن اسی وقت بہن ہوگی جب مومن ہوگی، شوہر بیوی کے لئے اور بیوی شوہر کے لئے اسی وقت صحیح معنی میں زوجین ہوں گے جب ایمان کا رشتہ و تعلق انہیں جوڑے گا، یہ وہ ایمانی بنیاد ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، قرآن پاک نے صاف وصریح الفاظ میں بتا دیا: ﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ

وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴾ (توبہ:۲۴) اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے مسلمانوں سے، ایمان والوں سے، کہ اگر تمہارے باپ، دادا، اور تمہاری اولاد، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے خاندان، اور تمہارے مال، اور تمہاری املاک، اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں خدشہ لگا رہتا ہے، تمہارے پسندیدہ گھر، اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہو جائیں، تو اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو، اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، جو اللہ کے مقابلے میں ان چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ نے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ '' سن لو! خدا کی قسم! تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں، اور ایک حدیث میں مزید یہ ہے کہ خود اس کی ذات سے زیادہ، اسے محبوب نہ ہو جاؤں۔

مسئلہ اسلام کے صرف قانون کا نہیں ہے، کہ حکم ہے نماز پڑھنے کا اس لئے پڑھنا ہے، حکم ہے روزہ رکھنے کا اس لئے رکھنا ہے، یعنی ایک قانونی مجبوری ہے، اللہ کے ساتھ بندوں کا تعلق صرف حاکم ومحکوم اور آمر ومأمور کا نہیں ہے، اللہ سے خوف بھی رکھنا ہے اور امید بھی، اللہ ہی سے لگاؤ ہونا ہے، اور اللہ ہی کی طرف انابت بھی، سب سے بڑی نعمت اللہ کی محبت ہے، بلکہ اسی تعلق پر بقا کا دارومدار ہے، اگر اللہ سے محبت نہیں ہے تو منصب عبدیت سے برخواست کر دیا جائے گا، معزول اور ڈسچارج کر دیا جائے گا، دیکھئے کیا ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ﴾ (مائدہ:۵۴) اے ایمان

والو! اگر تم میں سے کوئی ایڑیوں کے بل پلٹتا، اور اسلام سے باہر نکلا، یعنی صفات ایمانی اور شرائط اسلامی سے باہر ہوا، تو اللہ تم کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو لائے گا، جن سے اللہ محبت کرے گا، وہ اللہ سے محبت کریں گے، جو مسلمانوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے، جو اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کریں گے، اب یہاں دیکھئے! سب سے پہلی صفت جو بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، اور اللہ ان سے محبت کرے گا، یہاں اولین شرائط میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جو نمازیں پڑھیں گے، روزہ رکھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، یہ سب تو بعد کی چیزیں ہیں، پہلے نمبر پر جو مطلوب ہے، وہ اللہ سے قلبی تعلق ہے، وہ محبت ہے، جو محبت سے محروم ہوں گے وہ برخواست کر دیئے جائیں گے۔

پھر دوسری بات أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فرمائی گئی، وہ ایمان والوں کے ساتھ تواضع سے محبت اور اکرام کا معاملہ کریں گے، یہ ایمان والوں کی پہچان ہے، ایمان والا ایمان والے سے کھینچا ہوا ہے، اس لئے کہ اس کا مسلک کچھ اور ہے، اس کی رائے کچھ اور ہے، اس کا ذوق کچھ اور ہے، اس بنیاد پر اگر کھینچاؤ اور تناؤ ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے محروم ہیں، اور یہ اس قابل ہیں کہ انہیں برخواست کر دیا جائے، اور جو لوگ اہلِ ایمان کے درمیان جھگڑے اور فتنے پیدا کرتے ہیں، ان کو سزا دی جائے، مسلمانوں کے لئے ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ تواضع اختیار کریں، ایک دوسرے کا اکرام کریں، اپنے ہر بڑے کا احترام کریں، ہر چھوٹے پر شفقت کریں، سب اسلامی اخوت اور ایمانی رشتہ کی لڑی میں موتیوں کی طرح پرو دیئے جائیں، محبت کا ہار بن جائیں، اور دین کی تسبیح بن کر رہیں۔

أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ ایمان والوں کی محبت کے مقابلے میں یہ بھی ضرری ہے کہ کفر کرنے والوں کو باغی سمجھا جائے، جو اللہ کے نہیں، ہم ان کے نہیں، ہم کفر وشرک سے ان کو نکالنے کی کوشش کریں گے، لیکن کفر وشرک کے بارے میں ہمارا رویہ

بے لوچ و بے لچک ہوگا، ان کے کفر کے ساتھ ہماری ساز باز اور ہماری دوستی نہیں ہو سکتی، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کسی مشرک کی کوئی تعظیم کرے، تو عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے، یہ مجرمانہ اور باغیانہ عمل ہے، ملک کے باغیوں سے اگر کوئی دوستی کرے تو وہ قانون کی نگاہ میں سب سے بڑا مجرم گردانا جاتا ہے، اسے دہشت گرد کہہ کر پولیس گرفتار کرتی ہے، جیلوں میں اس کو ٹارچر کرتی ہے، اللہ جو احکم الحاکمین ہے، اس کی حکومت سے بغاوت کرنے والوں کا انجام کیا ہونا چاہئے؟

﴿یُجَاهِدُونَ فِيْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِم﴾ آخر میں ان کی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ اللہ کے راستہ میں زبردست جد وجہد کرتے ہیں، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

خلاصۂ کلام

حضرات! بات میں نے شروع کی تھی سورۂ انفال کی اس آیت سے ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوْا اللّٰهَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلَحُوْن، وَأَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْن﴾ (انفال: ۴۵و۴۶) اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ ہو کسی گروہ سے، تو تم کو اس پروگرام پر عمل کرنا ہے:

(۱) نمبر ایک ﴿فَاثْبُتُوْا﴾ مضبوطی سے اپنے حق پر جم جانا، کسی بات سے بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہونا، دینی تشخص کے ہر جزئیہ پر مضبوطی سے جمنا، اور دشمن سے ہر طرح کے مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی گئی ﴿وَاذْکُرُوْا اللّٰهَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلَحُوْن﴾ یہ ثبات، قدم کا جماؤ اور دل کی مضبوطی کیسے حاصل ہوگی؟ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا، کبھی اللہ سے غافل نہ ہونا، تکبیر و تسبیح و تحمید و تہلیل کے کلمات زبان زد رکھنا، دل کو ان سے معمور رکھنا، بغیر اس کے نہ ثبات حاصل ہوتا ہے نہ استقامت،

﴿وَاذْكُرُواْ اللّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ﴾ کامیابی ذکرِ الٰہی سے ملے گی۔

(۳) ﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ﴾ تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ کے دین پر، اس کے نظام پر، اس کی شریعت پر، اس کے احکام پر عمل کی پابندی کرنا ہے، اللہ کی بات ماننا، رسول اللہ ﷺ کی بات ماننا، مضبوطی کے ساتھ اللہ کے دین پر عمل کرتے رہنا، قرآن وحدیث کے دامن کو ہر حال میں تھامے رہنا۔

(۴) ﴿وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ چوتھی بات یہ فرمائی گئی کہ آپس میں جھگڑا مت کرنا، نزاع، تفرقہ، اور چپقلش نہ پیدا کرنا، رائے کے اختلاف میں کوئی حرج نہیں، غور وفکر کے نتائج میں فرق ہو، کوئی حرج نہیں، لیکن ایک دوسرے کی عزت برقرار رکھی جائے، ایک دوسرے سے محبت کی جائے، ہر بڑے کا ادب کیا جائے، ہر چھوٹے پر شفقت کی جائے، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے رہا جائے، مسلک اور فکر کے اختلاف کو جھگڑوں اور مخاصمتوں کا سبب نہ بنایا جائے، اللہ کا صاف ارشاد ہے، اگر جھگڑا کروگے تو ناکام ہوگے، نامراد ہوگے، ذلیل ہوگے، رسوا ہوگے، تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، آج مسلمانوں کی پوری دنیا میں جو صورتِ حال ہے، وہ خاص طور پر قرآن پاک کی اسی آیت کی خلاف ورزی کی بنیاد پر ہے، جہاں بھی آپس میں اختلاف ہے، وہاں ذلت ہے، رسوائی ہے، اور جہاں مسلمان متحد ہیں، وہاں اللہ کی مدد ہے، نصرت ہے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: "يد الله على الجماعة" اجتماعیت کے ساتھ اللہ کی تائید ہوتی ہے، الگ الگ رہیں گے تائیدِ الٰہی چھین لی جائے گی۔

(۵) ﴿وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ پھر فرمایا گیا: صبر اختیار کرنا، صبر کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ اطاعت پر استقامت اختیار کی جائے، اور دوسرے یہ کہ گناہ سے اور برائی سے بچا جائے، یہ دونوں کام مضبوطی سے کرنا، اور ان پر ڈٹے رہنا، صحیح معنی میں صبر ہے، اور صبر و برداشت کا وہ رویہ اختیار کرنے کا حکم ہے، جس میں تحمل ہو، برداشت ہو، جس میں طیش نہ ہو، ٹینشن نہ ہو، ردِ عمل نہ ہو، کسی مطلوبہ چیز کو

چھوڑا نہ جارہا ہو، غلو وتشدد نہ ہو، تحریف نہ ہو، انحراف نہ ہو، وہ حقیقی صبر ہے، یہ چیزیں ہیں، اے مسلمانو! اگر ان کو اختیار کروگے، پھر ایک گروہ کا مقابلہ کرو یا کئی گروہ کا کرو، تمہیں غلبہ حاصل ہوگا، اور اگر اس نسخہ کا استعمال نہیں کروگے، اس پروگرام پر عمل نہیں کروگے، تو دنیا تم پر غالب آتی چلی جائے گی، اور تم شکست کھاتے چلے جاؤگے، کمزور ہوتے چلے جاؤگے، مٹتے چلے جاؤگے۔

اللہ کا قانون اس معاملہ میں بڑا غیر جانب دار ہے، اس کے یہاں اصول بتا دئے گئے ہیں، جو عمل کرے گا اس کو حاصل ملے گا، اور جو نہیں کرے گا وہ محروم رہ جائے گا، پھر ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو اپنی ساری توجہات اللہ پر مرکوز کردیتا ہے، اللہ اس کی کفایت کرتا ہے، اس کے کام بنا دیتا ہے، اور جو ادھر ادھر کے فکری انتشار میں رہتا ہے، دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے، فرمایا کہ اللہ اس کی کوئی فکر نہیں کرتا، وہ دنیا کی کسی وادی میں ہلاک وتباہ ہو، اللہ کو اس کی پرواہ نہیں۔

بہر حال بات لوٹ پھر کر وہی آتی ہے کہ ساری توجہ کو اللہ کی ذات پر مرکوز کر دینا ہے، اور اللہ کی ذات کے سب سے معتبر اور اعلیٰ نمائندہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے ان کے دامن سے وابستہ ہوجانا ہے، ان کی ہر ادا پر قربان ہوجانا ہے، اور انہیں کی ہدایت کو اختیار کرنا ہے، یہ مختصر نسخہ ہے لیکن بہت ہی جامع نسخہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی، اور آپ کی بستی کے تمام لوگوں کو، اور اطراف وجوانب کی پوری آبادی کو اس کی توفیق عطا فرمائے، دین کا صحیح فہم عطا فرمائے، اپنی محبت سے نوازے، اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمادے، پھر ساری ہی نعمتیں ہمیں حاصل ہوجائیں گی۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة، وفی الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار.

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰه ربّ العالمین.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مدرسہ تنویر الاسلام، مرڈیشور کی تاسیس کے اسباب ومحرکات

انگریزوں کی غلامی سے آزادی کے بعد ہی سے اس ملک میں مسلمانوں کو ان کے دین ومذہب سے برگشتہ وتہی دست کرنے کے لئے مختلف وسائل وذرائع استعمال کئے گئے، لیکن گذشتہ چار دہائی میں خاص طور پر تعلیمی نظام ایسا بنایا گیا کہ ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ آگے چل کر نہ صرف اپنے دین ومذہب اور مذہبی شناخت سے بیزار ہوجائے، بلکہ وہ کفر والحاد اور تشکیک وارتداد کا داعی ومبلغ بنے، تعلیم کو محض کسب مال وزر اور حصول معاش کا ذریعہ سمجھے، اس کا جینا اور مرنا اسی کے لئے ہو۔

دشمن اسلام اس میں کامیاب بھی نظر آرہا ہے، کیوں کہ مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد کے نزدیک دنیا کمانا ہی معراجِ حیات ہے، ان کو دین وایمان کا سودا کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، عمومی طور پر اسلام اور مسلمانوں کی ذلت ورسوائی سے ان کی پیشانی پر بل نہیں پڑتا، اپنے لخت ہائے جگر کا دین سے نابلد ہونا، قرآن خواندگی اور امور اسلام سے ناآشنائی ان کے نزدیک فکر کی بات نہیں، اپنے اسلاف کے روشن وزریں کارناموں سے ناواقفیت ان کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں، کیوں کہ ان کا مقصد محض دنیا اور دولت دنیا ہے، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب ذوق خراش

دوسری طرف شرک وبدعت اور بے جا رسوم ورواج کا دور دورہ تھا، جب کہ اسلام خالص توحید وسنت کا داعی اور علم بردار ہے، صحیح دینی علم سے دوری روز بروز بڑھتی جارہی تھی، برادران وطن سے اختلاط کی وجہ سے ان کے اوہام وخرافات مسلم معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لئے جارہے تھے، ان حالات نے پورے ملک کے متدین اور اسلامی فکر کے حامل رہنماؤں کو بے چین ومضطرب کردیا، کہ

نئی نسل کو دین پر کیسے باقی رکھا جائے؟ اللہ نے ان کی رہنمائی فرمائی، انہوں نے کل وقتی اور جز وقتی مدارس کے قیام کا فیصلہ کیا، جہاں حسب ضرورت عصری علوم کے ساتھ مستقل بنیادوں پر دینی علوم پڑھائے جائیں۔

آج سے تقریباً ۳۵/۴۰ سال پہلے مرڈیشور کے بھی کچھ باحمیت وخوددار اور دین کا درد رکھنے والے افراد نے سوچا کہ اگر ہم نے اولاد کی فکر نہیں کی اور ان کے دین وایمان کی بقاء کا سامان نہ کیا، تو مستقبل حال سے زیادہ سنگین ہوگا اور مستقبل کا مؤرخ ہماری غفلت ولاپرواہی کی تاریخ لکھے گا اور ہماری آنے والی نسل ہمیں ہرگز معاف نہیں کرے گی، چنانچہ جناب الحاج مانی شاہ الحمید صاحبؒ، مانی ابو محمد صاحبؒ اور مولانا محمد علی باشاہ صاحب مدّ ا اور ان کے کچھ مخلص رفقاء نے ۱۹۷۵ء میں غوثیہ مسجد کے چبوترے پر چند طلباء سے مدرسہ کا آغاز کیا، بانیان ومعاونین کا خلوص تھا، الحمد اللہ مدرسہ روز بروز ترقی کرتا رہا، درسگاہ کی تعمیر ہوئی، دارالاقامہ کا قیام عمل میں آیا، شعبۂ حفظ، اور عربی درجات وجود میں آئے، درجہ ثانویہ خامسہ تک تعلیم کا نظم ہوا اور فارغین تنویر ندوۃ العلماء کے عالیہ اولی میں داخل ہوئے، لیکن بعض حالات کی بناء پر طلباء کا ندوۃ العلماء میں داخلہ کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور طلباء ندوۃ العلماء کی شاخ ضیاء العلوم رائے بریلی، جامعہ اسلامیہ بھٹکل ودیگر تعلیمی اداروں میں اپنی تعلیم کی تکمیل کرتے رہے، الحمد للہ ملک کے مختلف اداروں میں زیر تعلیم رہ کر سند فراغت حاصل کرنے والے تنویر الاسلام کے فیض یافتہ علماء کی تعداد ۷۰ سے متجاوز ہے، اور حفاظ کرام کی تعداد کم وبیش ۳۰ ہے، ان میں سے کچھ اپنے اپنے علاقوں میں دینی علمی واصلاحی خدمات میں مصروف ہیں، تو کچھ بیرون ملک برسر روزگار رہ کر مدرسے کی ترقی کے لئے فکر مند ہیں اور ہر طرح مدرسہ کا تعاون کر رہے ہیں۔

مدرسہ کی عمر کے اعتبار سے اگرچہ فارغین وحفاظ کی تعداد اہل دنیا کی نظر میں کم ہوگی، لیکن اللہ کے نزدیک بانیان ومنتظمین اور ہمدردان ومتوسلین ومدرسین کا خلوص اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اللہ ہم سب کو خلوص عطا فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے، طلباء کو علوم نبوت کے حاصل کرنے کا ذوق وشوق عطا فرمائے، آمین

دفتر نظامت: مدرسہ تنویر الاسلام، مرڈیشور

مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور میں

حضرت مولانا سیّد سلمان الحسینی مدظلہ کا والہانہ استقبال

مرڈیشور: ۱۶/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۷/جنوری ۲۰۱۵ء/تقریباً ہفتہ عشرہ سے پورے علاقہ میں حضرت کی تشریف آوری کی گونج تھی، جگہ جگہ منتظمین اجلاس وذمہ داران مدرسہ کی طرف سے اجلاس عام کے پوسٹر آویزاں کئے گئے تھے، قرب وجوار کے تمام اداروں اور اسپورٹس سینٹرز کو دعوت نامے ارسال کئے گئے تھے، مؤرخہ ۱۶/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۷/جنوری ۲۰۱۵ء مدرسہ تنویر الاسلام کے لئے انتہائی خوشی ومسرّت کا دن تھا، جب پہلے سے طے شدہ اعلان کے مطابق حضرت مولانا تشریف لائے، آپ کے استقبال کے لئے مرڈیشور کے تمام اسپورٹس سینٹرز (الوفاء، شاھین اور غوثیہ) کے نوجوان نیشنل ہائی اسکول، اقرأ انگلش میڈیم اسکول اور مدرسہ ہذا کے طلباء دورویہ قطار میں دور تک سراپا چشم انتظار تھے، جوں ہی مولانا کے مبارک قدم بابِ تنویر میں پڑے، اسٹیج سے أهلاً وسهلاً کی صدا گونجی، ذمہ داران اجلاس کے جلو میں حضرت اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔

مہتمم مدرسہ نے نظامت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے صدر مدرسہ جناب منا محمد زبیر صاحب کی اجازت سے تلاوت آیات قرآنی سے جلسہ کے آغاز کے لئے طالب علم حافظ عاذب حسن بن عبد الغنی کوٹیشور کو دعوت دی، بعد ازاں عبد الرحمٰن بن سلیمان کرا نے نعت پاک کے چند اشعار گوش گذار کئے، پھر ناظم مدرسہ مولانا محمد علی باشا صاحب نے مختصر استقبالیہ پیش کیا، جس میں مدرسہ سے مولانا کے تعلق اور پہلے

بھی آپ کی حاضری کا تذکرہ کیا، پھر حضرت مولانا کا مختصر تعارف پیش کیا گیا، اس کے بعد ننھے منے طلباء (محمد عاصم بن ثناء اللہ گنگاولی، محمد احمد بن عبد الرحیم گنگاولی، محمد نشیط بن عزیز اللہ شریف، عبد الاحد بن عبد القادر باشا محمد حسینا، عبد الباعث بن بدیع الزماں مرنے) نے ترانۂ مدرسہ پیش کیا۔

ترانے کے بعد ناظم جلسہ نے بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ ''موجودہ ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر خطاب کی گذارش کی، مولانا کا خطاب بڑا فکر انگیز تھا، دل سے بات نکل رہی تھی اور دل پر اثر کر رہی تھی، پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا، خواتین کے لئے مدرسہ کے وسیع وعریض حسینیہ ہال کے علاوہ مزید تین کمروں میں بھی انتظام تھا، سامعین کی تشنگی ابھی باقی تھی کہ اذانِ ظہر کا وقت ہو گیا، اور مولانا کی دعا کے بعد مولانا عبد السبحان صاحب جامعی نے شکریہ ادا کیا۔

رپورٹ:

محمد مبین خان ندوی غازیپوری

(مہتمم مدرسہ تنویر الاسلام، مرڈیشور)

ترانہ مدرسہ تنویر الاسلام، مرڈیشور

نتیجۂ فکر: پروفیسر جلال آکڑپاوی

تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا
یہ مکتب علم قرآنی، یہ مکتب علم رحمانی
یہ مرکز علم سبحانی، سرچشمۂ نور سبحانی
تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا
یہ مشعل راہ ہدایت ہے، یہ مخزن علم نبوت ہے
یہ قاسم بار امانت ہے، یہ معدن نور صداقت ہے
تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا
ہم تشنۂ علم وعرفاں ہیں، پروانۂ مشعل قرآں ہیں
سرمایۂ اہل ایماں ہیں، تنویر کے باغ کی کلیاں ہیں
تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا
قرآن کو دل سے لگائیں گے، ہم دین پہ خود کو چلائیں گے
اخلاق نبی اپنائیں گے، تنویر کا نام بڑھائیں گے
تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا
ہم ملت وقوم کے پیارے ہیں، اسلام کی آنکھوں کے تارے ہیں
تنویر کے راج دلارے ہیں، ہم دین کے ننھے سہارے ہیں
تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا
تنویر سے فارغ ہوں عالم، ہوں علم نبوت کے قاسم
تاحشر ہو مولیٰ یہ قائم، تنویر کو یارب رکھ دائم
تنویر الاسلام ہمارا، تنویر الاسلام ہمارا